صہیونی توسیعی عزائم اور مغربی طاقتوں کا کردار

(ایک تجزیاتی مطالعہ)

ابوالحسن احمد*

ڈاکٹر محمد امین**

ABSTRACT

It is a critical study of Western Civilization's interest in the Pax Judaica using the Biblical Eschatology. The Protestant Europe had keen interest in the Holy Land during the crusade wars. In the colonial period Palestine was handed over to the Zionists. Now Israel is a well-established regional power due to the continuous support of USA. The Zionist determinations of expansions lead Israel to become a ruling state of the world having the capital of Jerusalem. Comparing it to the teachings of Islam it will be the New World Order of the False Messiah at the end of times.

Keywords: صہیونی، واشنگٹن، اسرائیل، مغربی تہذیب، صلیبی، برطانوی، اٹوٹ انگ

ارض مقدس میں صہیونی غاصبانہ قبضے کے بعد سے مشرق وسطیٰ امن کا گہوارہ نہیں بن پایا۔ نام نہاد اسرائیلی ریاست انبیائے کرام علیہم السلام کی سرزمین کو اپنے ظلم وستم سے مسلسل روند رہی ہے جس کے توسیعی عزائم تھمنے کا نام نہیں لے رہے۔ یروشلم میں پہلے سے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی جارہی ہے تو وہاں موجود خدائے ابراہیم علیہ السلام کے معبد کی جگہ نیا معبد بنانے کی کیا ضرورت ہے

* پی ایچ۔ڈی سکالر، دی یونیورسٹی آف لاہور

** پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور

درآں حالیکہ لادین و روشن خیال عالمگیریت نے دنیا کو مہذب بنا دیا ہے جس میں عقیدے کی لڑائی کو اساطیر الاولین کہہ کر انتہاء پسندی اور دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسرائیلی محکمہ آثار قدیمہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کے لیے اصحاب السبت کی طرح سرنگیں کھود کر جو حیلہ سازی کر رہا ہے اس کے پیچھے بین المللی سیاسی عزائم ہیں کیونکہ اقصیٰ اور بابری مساجد گرائے بغیر گریٹر اسرائیل اور مہابھارت بنانا ممکن نہیں۔ امت مسلمہ کے خلاف مؤحد یہود اور مشرک ہنود کا گٹھ جوڑ عجیب نہیں۔ قرآن کریم کی تنبیہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ سے بُغض نے انہیں یکجا کر دیا ہے۔ مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب طبقہ سب کچھ فراموش کر کے ایک حقیقت کے طور پر اسرائیل کو تسلیم کیے جانے حق میں میثاق مدینہ جیسے دلائل مسلسل دے رہا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ غزوہ خندق و خیبر کے اسباب کو فراموش کر دیتا ہے۔

دوستی دشمنی رکھتے ہوئے بھی اقوام عالم باہم سفارتی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں۔ لیکن مسئلہ فلسطین، بوسنیا، میانمار، مشرقی تیمور یا کشمیر سے منفرد مسئلہ ہے کیونکہ یہاں صرف مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کرنا یا انہیں محکوم بنانا مقصود نہ تھا بلکہ دنیا بھر سے یہودیوں کو یہاں آباد کرنے کے لیے فلسطین کو صدیوں سے بے آباد قرار دیا گیا۔

مغربی تہذیب اور صہیونی تحریک کی ہم آہنگی

مسیحیوں کی مسلمانوں سے محبت اور نرم دلی میں مغربی تہذیب رکاوٹ ہے جس نے نصاریٰ کے ایک بڑے طبقے سے مسیحیت چھین لی ہے جس کے ملی اتباع کے بغیر مسلمان اس کی خوشنودی نہیں پاسکتے۔ قیام اسرائیل کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی گئی کہ مغرب میں یہود سے بدتر معاشرتی سلوک ہوتا رہا ہے۔ انہیں مسیح کے قاتل کے طور پر یورپ کے دور ظلمت اور دور تنویر میں غیطو (Ghettos) میں محصور کیا گیا اور نازیوں کی طرح کئی متعصب گروہوں کے ہاتھوں ان کی گیس چیمبر میں یا دیگر طریقوں سے نسل کشی کی گئی۔ ظلم قلیل ہو یا کثیر، اس کے بدلے میں کسی بے بس قوم کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔

لیگ آف نیشنز کے برطانوی انتداب سے فائدہ اٹھا کر یہود عازم ارض مقدس ہوئے تو اپنی اس ہجرت کو ایلیاہ کا نام دیا۔ اسرائیلی آبادکاری نے فلسطینیوں سے ان کی آبائی زمین ہتھیالی اور اب وہ اسرائیل میں اقلیت بن کے رہ رہے ہیں۔ عرب ممالک میں ان کی حیثیت دوسرے درجے کے شہری کی ہے۔ اسی لیے ایک دنیا میں بکھری قوم کی اپنے آباء و اجداد کی سرزمین کو واپسی نے دوسری قوم کو دنیا کے طول و عرض میں بکھیر دیا ہے۔

یہودی بستیوں کی مسلسل تعمیر سے آبادی کا توازن خراب ہونا شروع ہوا۔ اسرائیل میں ابتدائی حکمران لیبر پارٹی کی روسی نژاد معاشرت نے بکثرت اشتراکی بستیوں (Kibbutz) کا روپ دھار لیا تھا۔ پھر لیکوڈ پارٹی کی سوچ پروان چڑھی تو غیر یہود (Goyim) سے نفرت نے (Mazaraki) بستیاں تشکیل دیں۔ جب اسرائیل کی ابتدائی سرحدیں بنائی گئیں تو طے پایا کہ فلسطینی آبادیوں کی بجائے سڑک پر اسرائیلی قانون کا اطلاق ہوگا۔ 1967ء میں مقبوضہ آبادیوں کے محاصرے کی غرض سے شاہراہوں کا جال بچھا دیا گیا۔ دلیر صہیونی رضاکاروں نے مقبوضہ علاقوں کی سڑکوں اور انٹرچینجز پر (Gush Etzion) جیسے آبادی کے بلاک بنائے جو اب اسرائیلی تزویراتی قلعے ہیں۔

مشرقی یہود (Sephardic) صدیوں سے مسلم معاشروں میں رواداری سے رہ رہے تھے۔ صہیونی مظالم کے نتیجے میں ان کے لیے اب عرب ممالک میں خوشگوار سماجی تعلقات کی ضمانت نہ تھی۔ جدید حکومتوں میں معاشی اثر اندازی اور اسرئیل کے مخدوش حالات میں موت کے ڈر سے بیرون اسرائیل مقیم یہودی (Diaspora) چاہتے ہوئے بھی اپنی خوابوں کی سرزمین کا رخ نہیں کر رہے۔ مغربی تہذیب کی یک چشم ریشہ دوانیاں علمائے اسلام کی بصیرت پر مہر تصدیق ثبت کر دیتی ہیں جیسے مولانا سید بدر عالم بتاتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں یہودی مملکت کے قیام اور ان کی متفرق طاقتوں کے ایک مرکز پر جمع ہونے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور مقدر ہے اور اگر اسے دجالی فتنے کا مقدمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا[1]۔ اسی طرح ولندیزی نژاد دانشور Hajo Gamier یہودی صفوں میں صہیونیت مخالف منفرد آواز ہے جس کے مطابق انسانیت کے ناطے اخلاقی فرض ہے کہ ظالم نہ بنا جائے۔ تلخ ذاتی تجربے میں ہولوکاسٹ کی کسک، فلسطینیوں کی اپنی سرزمین پر حالت دیکھ کر، انہیں چپ نہیں بیٹھنے دیتی۔ وہ اسرائیلی اور جرمن نازیوں کی پالیسیوں پر تنقیدی و تقابلی نظر ڈالتے ہیں۔ نیز عصری اسرائیلی معاشرے کی وجہ سے وہ یہودیت کے اختتام کا رونا روتے ہیں[(2)]۔

---

[1]- مہاجر مدنی، سید بدر عالم، دجالی فتنہ کی تفصیلات حدیث کی روشنی میں، اسلامی کتب خانہ، لاہور، س ن، ص226

[2] Meyer, Hajo G. The End of Judaism, Create Space Independent Publishing Platform, USA, 2013, p:217

نشاۃ ثانیہ کے متلاشی ایشکنازی یہود[1] نے عالمی طاقت بننے کا سپنا دیکھا تھا جن کے رہنما تھیوڈور ہرزل نے صہیونی عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔ حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ عالمی جنگوں کی فاتح صہیونی تحریک ہے جس نے فریق جنگ بنے بغیر مال غنیمت سمیٹا ہے۔ اپنے خوابوں کی عملی صورت گری کے لیے صہیونی دانا بزرگوں نے سر جوڑ لیے جن سے منسوب پروٹوکول نامی دستاویزان کے منصوبے آشکار کرتی ہے جسے اپنانے سے انکار کے باوجود نتائج بتاتے ہیں کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے:

> "ممکن ہے کچھ عرصے تک دنیا کی غیر یہودی اقوام کا اتحاد ہمارے خلاف کامیاب رہے لیکن ہمیں اس خطرے سے ان کے وہ باہمی اختلافات محفوظ رکھ سکتے ہیں جو اس قدر گہری جڑیں رکھتے ہیں کہ جنہیں پاٹنا ممکن نہیں۔ ہم نے غیر یہودی شخصیتوں اور اقوام کو آپس میں لڑا دیا ہے اور ان میں نسلی و مذہبی منافرت انتہا کو پہنچادی ہے، جس کی ہم گذشتہ بیس صدیوں سے آبیاری کرتے رہے ہیں۔"[2]

مغربی تہذیب کی صہیونی پشتیبانی اب سمجھ میں آتی ہے۔ وہ اپنے غروب آفتاب کو اختتام تاریخ کا نام دیتی ہے اور یروشلم پر یہود کا قبضہ کرا کے وہ مستقبل کے سہانے سپنے جاگتی آنکھوں دیکھنا چاہتی ہے گویا کہ وہ یہود کو یاد ماضی کرانا اپنے لیے نوید سحر سمجھتی ہے۔ اشاعت اسلام کی راہ روکنا عصر حاضر میں مغربی تہذیب کا ایک اہم ہدف ہے۔ جس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ اس کے ایک ترجمان کے بقول امیگریشن اور آبادی میں اضافے

---

[1] ۔ ایشکنازی یہود، سامی نژاد بنو اسرائیل کی بجائے مغربی یورپ کے باشندوں کی طرح بنو یافث ہیں۔ بائبلی نسب نامے کے مطابق ماجوج بن یافث اور اشکناز بن جمر بن یافث چچا بھتیجا ہیں (پیدائش:10:2تا5، نیز1۔تواریخ، 1:5۔7)۔ بابل کی اسیری کے دور میں حضرت حزقی ایلؑ نے بحکم الٰہی ماجوج نژاد فرمانروا جوج کو تنبیہ فرمائی تھی جس کے لشکر میں بنو جمر شامل تھے (حزقی ایل:38 :6)۔ اسی لیے ایشکنازی یہود کے پہلے ایلیاہ نے جب بحیرہ طبریہ عبور کیا تو علامہ اقبال نے سورۃ الانبیاء کی آیات نمبر 95،96 کو ملا کر توسیعی تفسیر کرنے کی تاکید کی تھی (بانگ درا، ص23)۔ مسلسل پانی لے کر اسرائیل کا آبی وسائل کا محکمہ بحیرہ طبریہ کو خشک کرتا چلا جا رہا ہے۔ احادیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ یاجوج ماجوج کا لشکر دجال کے قتل کے بعد حملہ آور ہو گا لیکن اس کا ہراول دستہ بحیرہ طبریہ کو خشک کر دے گا اور دجال کے خروج سے پہلے کی ایک علامت طبریہ کا خشک ہو جانا ہے یوں مذکورہ دستہ خروج دجال سے قبل ہے۔ واللہ اعلم! علامہ اقبال کا شعر ہے:

> کھل گئے ہیں یاجوج ماجوج کے لشکر تمام　　چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

[2] ۔ مارسڈن، وکٹر ای، پروٹوکول، ترجمہ ابن حسن، مسلم ورلڈ ڈیٹا پراسیسنگ پاکستان، 2002ء، ص50

کی زیادہ شرح کی وجہ سے یورپ تیزی سے مسلم وجود میں بدل رہا ہے۔چند عشروں میں پانچ کروڑ مسلمان براعظم یورپ کو مسیحی سے مسلم میں بدل دیں گے جن کا انسانی حقوق کا ریکارڈ ابتر ہے اور شرعی قوانین کے چہرے والا یورپ یہودیوں اور مسیحیوں کے لیے مہمان نواز نہ ہو گا۔ معمر قذافی کی پیشینگوئی کہ بغیر تلوار یا بندوق سے فتح کے، اللہ اپنی نشانیوں سے اسلام کو یورپ میں کامیابی دے رہا ہے لہٰذا ہمیں دہشت گرد اور خونریز بمبار نہیں چاہئیں، سچ ثابت ہو رہی ہے[1]۔

نو آبادیاتی دور میں صلیبی فکر کا تسلسل

یورپ کی علمی ترقی اور اس کی تہذیب کے ارتقاء میں مسلمان اور یہودی مفکرین نے اہم کردار ادا کیا ہے لیکن ترقی یافتہ مغربی تہذیب ک ی سوچ صلیبی امنگوں سے آراستہ ہے جس کے برپا کردہ نو آبادیاتی دور کی بڑی طاقت برطانیہ نے اپنے مفادات کی خاطر اعلان بالفور کی مفاد پرستانہ پالیسی سے یہود مسلم تعلقات پر اثر اندازی کی طرح ڈالی۔ مغرب کی سربلندی کا عزم لیے شار لیمان[2] کے جانشینوں نے جب صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کیا تو مسیح علیہ السلام کے قاتل نظر انداز نہ کیے گئے۔ صلیبیوں کے یروشلم پہنچنے اور قبضے کے دوران یہود و مسلم کا قتل عام کیا گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فتح القدس اور پھر رچرڈ شیر دل سے 1192ء میں صلح سے امن کی امید ابھری لیکن 1492ء میں سقوط غرناطہ ہوا تو جلاوطنی نہ کرنے والے یہودیوں اور مسلمانوں کو تبدیلیٔ دین کے باوجود بالترتیب Marranos اور Moriscos کے امتیازی القابات سن سن کے مسیحی سپین میں رہنا پڑا۔

عالمی طاقتوں کی حکمت عملی میں عدل کی بجائے مفاد کی اہمیت ہے۔ General Edmund Allenby نے 1917ء میں عثمانی ترکوں کے سرخ ہلالی پرچم کو سرنگوں کرتے ہوئے عربوں کی تالیوں کی گونج میں نیلگوں صلیبی برطانوی پرچم لہرایا تو اس نے آخری صلیبی جنگ کا نعرہ لگایا تھا جو سچ ثابت ہوا کیونکہ فلسطینی ایک

1- Will Israel Survive the End Times? Associated Bible Students, Oakland, 2012, p:6

2۔ شار لیمان (Charlemagne) یا چارلس اول مغرب کے دور ظلمت کا پہلا شہنشاہ ہے جس نے مغربی یورپ کو متحد کر کے پہلی بار عملی طور پر یورپی یونین بنائی اور خلیفہ ہارون الرشید سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ قسطنطنیہ کی بازنطینی ایمپائر، مشرقی آرتھوڈوکس کی سیاسی طاقت تھی جس نے ارض مقدس کی بازیابی کے لیے وہ تندہی نہ دکھائی جو کیتھولک مغربی یورپ کے حصے میں آئی جن میں سے پروٹسٹنٹ جلوہ گر ہوئے۔ مؤخر الذکر دونوں مسیحی مذاہب کی بپا کردہ تہذیب مغربی تہذیب کہلاتی ہے جب کہ اشتراکیت سے تائب روس مشرقی آرتھوڈوکس کی تہذیب کی مرکزی ریاست ہے۔

صدی سے صلیبی کی بجائے داؤدی ستارے کے علمبر داروں سے بر سر پیکار ہیں۔ یک قطبی نظام میں نائن الیون کے واقعے نے امریکی صدر جارج بش کے منہ سے بھی صلیبی جنگ کی نئی کڑی کی بات منہ سے نکلوادی تھی۔ اسماعیل راجی الفاروقی بجا کہتے ہیں کہ مسلم دنیا جدید نو آبادیاتی نظام اور صلیبی جنگوں کے مسائل کا سنگم بن گئی ہے۔ بلاشبہ اسرائیل ان دونوں میں سے نہیں لیکن وہ ان دونوں سے بڑھ کے ہے۔[1] برطانوی انتداب کے خاتمے پر زمینی حقائق اتنے بدل چکے تھے کہ 1948ء میں ڈیوڈ بن گوریان نے امریکی ایماء پر قیام اسرائیل کا اعلان کر دیا۔

خلافت کے خاتمے میں مغربی وصہیونی فوائد

نو آبادیاتی دور میں آزادی کے وقت کی قائم کردہ سرحدیں اب امریکہ کو پسند نہیں آرہیں جن میں درستی کے لیے مضبوط حکومتیں گرا کر عرب بہار کی انقلابی تحریکیں یا سنی داعش اور شیعہ حوثی جیسی عسکریت پسند تنظیمیں ابھاری گئیں اور پھر ان کی سرکوبی کے لیے اسرائیل کے گردو پیش کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنے کی پالیسی وضع کی گئی۔ جنگ عظیم اول میں شکست کے باوجود خلافت عثمانیہ قیام اسرائیل میں مزاحم تھی اور مارچ 1924ء میں سقوط خلافت سے مسلمانوں کی مرکزیت کا خاتمہ ہو گیا۔ اتحادیوں کے لیے تب کھلی چھوٹ تھی۔

امریکی دھڑلے سے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کو اپنی کامیابی گردانتے ہیں۔ امریکی صہیونی مصنف احسان جتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ عربوں کو واقعی عرب ریاستوں کی آزادی میں امریکی کردار کا ممنون ہونا چاہیے۔ تمام اقوام کے تشخص کے لیے صدر ولسن کے اقدامات اور امریکہ کی پہلی جنگ عظیم میں شمولیت عثمانی سلطنت کے انہدام کی وجہ بنی جس نے عرب دنیا کی آزادی کی تحریک ابھارنے میں مدد دی۔[2] امریکہ نے تہیہ کر رکھا ہے کہ اکیسویں صدی صرف اس کے نام کی شمار کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس کے تھنک ٹینک اسلامی ممالک کی سرحدوں کو خون آلود بتاتے ہیں اور اپنے قومی مفاد کے تحفظ کے لیے اسرائیل کو خطے کی بڑی طاقت دیکھنا چاہتے ہیں۔

اسرائیل کے پیدا کردہ حقیقی انسانی مسئلے کو اہمیت نہیں دی جاتی کیونکہ اس کے ظلم کا شکار مسلمان ہیں جن کا قصور یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب مانتے ہیں۔ کرنل پیٹر کا مسلم دنیا کے لسانی یا فرقہ وارانہ حصے بخرے کرنے کی تجویز میں یہود مسلم تعلقات میں بہتری کے امکانات سے غفلت کا استدلال یوں ہے کہ امریکی قارئین کے لیے اسرائیل اور اس کے ہمسایوں میں پر امن بقائے باہمی کی امید حساس ترین مسئلہ ہے۔ جس سے ابتداء کرتے ہوئے ماقبل 1967ء کی سرحدوں پر واپسی واحد حل ہے۔ اسے ایک طرف رکھ کے وہ معاملات سلجھاتے ہیں

[1]- Al-Faruqi, Dr. Isma'il Raji, Islam and the Problem of Israel, ICE, London, 1980, p25
[2]-Bard,Mitchel G, Myths & Facts, American Israeli Cooperative Enterprise USA, P:229

جنہیں مطالعہ میں نظر انداز کیا گیا ہے۔[1]

صہیونی ریاست کے استحکام میں امریکہ کا قومی مفاد

سرد جنگ کے خاتمے اور خاص طور پر نائن الیون کے بعد برطانیہ اور فرانس کی عسکری مشاورت سے امریکہ دنیا کے فیصلے کر رہا ہے۔ جہاں فعال یہودی لابی امریکی خارجہ پالیسی پر کنٹرول رکھے ہوئے ہے۔ ان مفاد پرستانہ پالیسیوں کو رائے عامہ میں قبولیت دینے کے لیے قومی مفاد کا بہانہ حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ڈینیئل ایمن (Daniel Byman)اور سارا مولر (Sara Moller) پٹرول کی آزادانہ فراہمی، نیوکلیائی عدم پھیلاؤ، دہشت گردی سے نبرد آزمائی، اسرائیلی تحفظ و بقاء اور جمہوریت کی ترقی کو مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات بتاتے ہیں۔ ایران، داعش اور القاعدہ فی الوقت مذکورہ مفادات کے لیے حقیقی خطرہ ہیں۔[2]

یہودی لابی واشنگٹن کو اپنا ہمنوا بنا چکی ہے جہاں دلائل دیے جاتے ہیں کہ تین ہزار سال سے یروشلم یہودیوں کی خواہشات کا مرکز رہا ہے تاریخ، ثقافت، مذہب اور لوگوں کے یقین میں کسی اور شہر نے ایسا جاندار کردار ادا نہیں کیا جو یہودیت کی حیات میں یروشلم نے کیا ہے۔ جلاوطنی کی تمام تر صدیوں میں یہودی جہاں کہیں بھی تھے یہ ان کی تاریخ کا مرکزی نقطہ، عظمت، اخلاقی بجاآوری اور تجدید کی علامت بن کے ان کے دلوں میں زندہ رہا۔ ان کے قلب و روح نے یہ صورت گری کی ہے کہ اگر آپ ایک سادہ لفظ کو یہودی تاریخ کی علامت بنانا چاہیں تو وہ یروشلم ہو گا۔[3]

امریکہ میں بیٹھے بزرجمہروں کے دل اسرائیلی مفادات کے لیے تڑپتے رہتے ہیں کیونکہ یہودی لابی انہیں جھانسہ دینے میں کامیاب ہو چکی ہے کہ بھارتی کشمیر کی طرح گولان کی مقبوضہ پہاڑیاں اسرائیل کا اٹوٹ انگ ہیں بصورت دیگر اسے شام کے زیر کنٹرول چلے جانے والے علاقے سے بحیرہ طبریہ میں بہنے والے پانی کے معیار و مقدار میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آبی امور کے ماہرین کے مطابق کسی اسرائیلی حکومت کی طرف سے یرموک سے آب رسانی یا متبادل ذرائع آب کی ضمانت کے بغیر گولان کے علاقے واگزار کرنا قوم کو قبر کے خدشے میں ڈالنا ہے۔ اسرائیل کے ساحل، پہاڑی علاقے اور بحیرہ طبریہ تاریخی طور پر اس کے بڑے آبی ذرائع ہیں جن سے اسے اپنی ضرورت سے زیادہ پانی

1-Peters, Ralph, Bloody Borders, Armed Forces Journal, Michael Reinstein Springfield, June 1, 2006 ,p2

2-Byman, Daniel & Moller,Sara Bjreg, The United States and the Middle East: Interests, Risks and costs, Tobin project, 2016,p1

3-Kollek,Teddy, Jerusalem, Washington Institute for Near East Policy, Washington DC, 1990, p19

ملتا ہے۔ فلسطینی بستیاں اردن کے مغربی کنارے کی بجائے زیادہ تر اندرون اسرائیل سے پانی لیتی ہیں۔[1]

غیر مغربی طاقتوں کی خطے میں دلچسپی پر صہیونی واویلا

قیام اسرائیل کے بعد امریکہ اور سوویت یونین نے فی الفور اسے تسلیم کر لیا جس سے اکثر مسلم ممالک سفارتی تعلقات تک رکھنے کے ہنوز روادار نہیں۔ برنارڈ لیوس استشراقی اور امریکی وکیل صفائی کا حق یوں ادا کرتے ہیں:

> "مشرق وسطیٰ میں سوویت اثر و نفوذ کی توسیع اور اس کے ولولہ انگیز جواب نے امریکہ کو اسرائیل کی طرف زیادہ دوستانہ انداز میں دیکھنے کی حوصلہ افزائی دی، جس کو اب ایک بڑی حد تک دشمن خطے میں ایک قابل اعتماد اتحادی تصور کیا جانے لگا تھا۔ آج اس حقیقت کو اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے درمیان سٹریٹیجک تعلق سوویت دخل اندازی کا سبب نہیں بلکہ نتیجہ تھا۔"[2]

امریکہ کی غیر معمولی خود اعتمادی نے روس اور چین کو متنبہ کر دیا ہے جن کے مفادات امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے ٹکراتے ہیں اس لیے فریقین کی پالیسیاں ایک دوسرے کے رد عمل میں سامنے آتی ہیں۔ عراق اور لیبیا کے عدم استحکام اور طوائف الملوکی کے بعد روس شام کی حکومت بچانے کے لیے بالآخر آگے آیا ہے۔ یہود مسلم تعلقات میں روسی دلچسپی کو اسرائیلی عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ماسکو اپنے قومی سلامتی کے مفادات علاقائی فنکاروں سے مل کر بخوبی پورے کر رہا ہے جس سے روسی قوت اور اثرات خطے میں بتدریج بڑھ رہے ہیں جو مغرب کے مقاصد کی سہولت یا تخریب کی بجائے مساویانہ درجے پر آ گئے ہیں۔[3]

مشرق وسطیٰ سے توانائی کے حصول اور بین البراعظم شاہراہ ریشم کی خاطر چین علاقے کو پر امن دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے سفارتی ذریعے سے اس نے یہود مسلم تعلقات میں بہتری کے لیے چار نکاتی حل پیش کیا ہے جس میں سب سے اہم بات 1967ء کی سرحدوں کے مطابق دو ریاستی حل ہے جس میں مشرقی بیت المقدس فلسطینی

---

[1]-Bard, Mitchell G. Arab-Israeli Conflict, American-Israeli Cooperative Enterprise, USA, p269

[2]-لیوس، برنارڈ، اسلام کا بحران، ترجمہ محمد احسن بٹ، لاہور، نگارشات پبلشرز، 2003ء، ص80

[3]-Friedman, Brandon, Russian involvement in Syria Geopolitics of the Middle East, Tel Aviv University , Moshe Dayan Center for Middle Eastern and African Studies, 2018, p1

ریاست کا دارالحکومت ہو۔[1] ایسا کوئی بھی حل صہیونیوں کے عزائم میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے اس لیے بیجنگ تل ابیب مذاکرات کے جتنے بھی دور ہو جائیں اسرائیل امریکی پشت پیچھے چھپ کر انہیں ناکام بنادے گا۔

صہیونی عزائم کی مخالفت کو سامیت دشمنی سے منسلک کرنا

یہودی دینداری سے مسلمانوں کو دشمنی نہیں ہے۔ مغرب نے فساد کی جڑ کو اپنے ہاں سے اکھیڑ کے فلسطین کے باغ میں لگا دیا ہے جس سے دونوں ادیان کے نام لیوا میدان جنگ میں صف بندی پر اتر آئے ہیں۔ ایسے میں بھی معتدل اور متشدد یہودی نقطہ ہائے نظر کی درجہ بندی کی جانی چاہیے۔اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کو حاصل ویٹو کے حق سے بعض اوقات انصاف پر مبنی اقوام متحدہ کی قراردادیں سرد خانے میں پڑی رہ جاتی ہیں، جیسے اعلان بالفور کی صد سالہ یہودی خوشیوں کو دوچند کرنے کے لیے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے یروشلم کو اسرائیلی دارالحکومت تسلیم کر کے اپنا سفارت خانہ وہاں منتقل کرنے کی سرکاری پالیسی کا اعلان کیا ہے جس سے عالم اسلام میں آمدہ حالات کی سنگینی کا احساس بڑھ رہا ہے۔ نوم چومسکی جنیوا کنونشن کے اعلامیے کے بارے میں امریکی رویے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "عالمی اعلامیے کی مشہور شق (2) 13 ہے کہ۔"ہر شخص کو کوئی بھی ملک چھوڑنے کا اختیار ہے، بشمول اس کے اپنے ملک کے۔" ہر سال دس دسمبر کو حقوق انسانی کے دن سوویت یونین کی مخاصمانہ مذمت کی جاتی ہے کہ وہ یہودیوں کو ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگلے نظر انداز کردہ جملے "اور اسے اپنے ملک واپس آنے کا بھی حق ہو گا" کی اہمیت 11 دسمبر 1948ء کو یعنی عالمی اعلامیے کی منظوری کے اگلے ہی روز اجاگر ہوئی جب جنرل اسمبلی نے متفقہ طور پر قرارداد 194 منظور کی جس کے تحت فلسطینیوں کے اپنے گھروں کو واپسی، اور اگر وہ نہ آنا چاہیں تو، زر تلافی کی وصولی کے حق کی توثیق کی گئی۔"[2]

بنی حام و یافث کی بنی سام سے رقابت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں جاری رہ کے سامیت دشمنی کی اصطلاح بن گئی۔ یہود نے یہ ہائی جیک کر کے اپنے ساتھ مخصوص کرا لی اور اسے اپنی نشاۃ ثانیہ کے صہیونی عزائم تک توسیع دے دی اور اب دیدہ دلیری سے اسے دیگر سامی ادیان کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا

---

[1]-Keinon, Herb, The Jerusalem post, Aug 2, 2017

[2]- چومسکی، نوم، دہشت گردی کی ثقافت، ترجمہ سید کاشف رضا، کراچی، شہرزاد، 2003ء، ص:169

ہے۔ برطانیہ میں سامیت دشمنی اور صہیونیت دشمنی کی اصطلاحات کے باہمی ربط اور یکسانیت پر سوال اٹھ رہے ہیں اور باور کر لیا گیا ہے کہ سامیت دشمنی یہودی عوام سے متعلق مائل بتعصب جارحیت ہے۔ صہیونیت مشرق وسطیٰ میں یہودی ریاست بنانے کی تحریک ہے جو تاریخی اسرائیل سے مشابہت کا اندازے سے حوالہ دیتی ہے اور جدید اسرائیلی ریاست کی مدد کرتی ہے۔ صہیونیت مخالف اسے سامیت دشمنی کہنے سے اختلاف کرتے ہیں۔[1] امریکی دانشور نوم چومسکی کی طرح کئی یہودی صہیونی عزائم سے وابستگی نہیں رکھتے۔ ایشکنازی یہود میں نیٹوری کارٹا جیسی صہیونیت مخالف عالمی تنظیم موجود ہے۔ دنیا کا منہ زور سماجی اور سیاسی مسئلہ فلسطینی تنازعہ ہے جس کے بارے میں صہیونیت مخالف یہودی حاخام آمنون اسحاق غیر مقلدانہ مذہبی رائے رکھتے ہوئے یہود کو روادار رویے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ تمام صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہے کیونکہ اب یہودی حکومت ایریل شیرون سے ہوتی ہوئی بنیامین نیتن یاہو جیسے انتہاپسندوں کے ہاتھوں میں ہے جو اسرائیلی خلافت ارضی کے ابدی حق پر یقین کی وجہ سے یہود مسلم تعلقات میں مساوات کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے پیشرو اسحٰق رابن کو قومی غدار کے طور پر قتل کر دیا گیا تھا جو بتدریج شدت پسندی سے امن پسند رہنما بن رہے تھے۔

صہیونیوں کے حق میں الہامی روایات کی مغربی تشریحات

لادین اور روشن خیال مغربی تہذیب کے بنیاد پرست پالیسی سازوں کو سامی ادیان میں مسیح موعود کی الہامی روایات کی اصلاح پسند تشریحات سے صہیونی عزائم کی پشتیبانی میں حوصلہ افزائی ملتی ہے جن کا دائرہ امام مہدی اور دجال کی آخر الزماں کی علامات تک پھیل گیا ہے۔ قرآن کریم میں اہل کتاب کی وحی میں ملاوٹ کا پردہ چاک کیا گیا اور تحریف کرنے والے مذہبی پیشواؤں کی اندھا دھند باتیں ماننے کو شرک قرار دیا گیا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے امریکی بائبلی سکالر Richard Friedman کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد اسرائیلیوں نے کئی مواقع پر مختلف ورژن میں از سر نو تورات لکھ کے بد عنوانی کی تھی۔[2] تاہم مغربی عوام کو من عنداللہ کہہ کے ابھی بھی دھوکے میں رکھا جا رہا ہے کہ آخری زمانے میں مسلمانوں کے مسیحا، مہدی کی آمد متوقع ہے جو بائبل میں بیان کردہ اینٹی کرائسٹ سے یکسانیت رکھتا ہے۔ وہ یہود و نصاریٰ سے جنگ کرے گا، یروشلم فتح کرے گا اور اس کا حکومتی دورانیہ سات سال ہو گا۔ انہیں حیرانی ہے کہ مسلم معلم مسیح علیہ السلام کو مہدی کی طرح بتاتے ہیں جو مہدی کی اقتداء میں سب کو دائرہ اسلام میں لائے گا۔ بائبلی معیار

---

1 What's the difference between anti-Semitism and anti-Zionism? BBC News Magazine, 29th April 2016.

2 Friedman, Richard, Who Wrote the Bible? New York: Harper and Row, 1989

کے مطابق انہیں ایسا یسوع، جھوٹا نبی دکھائی دیتا ہے جو اینٹی کرائسٹ کے ساتھ ہو کے بہتوں کو شکست دے گا۔ (1)

مسیحی شارحین ہر بشارت کو اپنے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ جیسے حجی نبی نے یہوداہ کے ناظم زُربابل سے فرمایا تھا کہ کائناتی شکستگی سے پہلے سلطنتوں کے تخت الٹ دیے جائیں گے، قوموں کی سلطانی کی قوت نابود کر دی جائے گی، سواروں سمیت رتھ الٹ دیے جائیں گے، گھوڑے اپنے شاہسواروں سمیت گر پڑیں گے اور بھائی کی تلوار سے بھائی کا قتل ہو گا۔ (2) بائبلی مفسر اسے مسیحی اولیاء کی یہ متوقع کرامت سمجھتے تھے لیکن پاسٹر رسل اس بشارت کو جرمن، فرانسیسی، انگریزی، روسی یا امریکی فوج میں تلاش کرتے ہیں جو فن حرب سے آراستہ اعلیٰ درجے کی نظم وضبط والی فوج ہے اور الوہی فصل سے بادشاہت کے کانٹے کو نہ صرف اٹھا پھینکے گی بلکہ اقوام کی شاہانہ جمعیت کا استیصال کر دے گی کیونکہ فصل کی کٹائی میں اب چند ایام ہی رہتے ہیں۔ بائبلی شجرہ نسب کی تفسیر میں ان کا مؤقف ہے کہ بنی یافث کو یورپ کے حقیقی آبادکار فرض کیا گیا ہے لیکن ممکن ہے کہ یاجوج ماجوج کے لشکر کے بارے میں ہماری شناخت اتنی مثبت نہ ہو۔ 3

اصلاح شدہ یافتی پروٹسٹنٹ میں علم آخر الزمان کے بائبلی ماہرین ویٹ کن اور یوپ کو مذہبی دلائل اور 666 کے ہندسی علم کے چکر میں لا کے اینٹی کرائسٹ کہتے ہیں۔ مذہبی تعصب کی طرح خطے کی رقابت میں ایسا ہی امریکی اور یورپی مفکرین کا ایک دوسرے کے بارے میں کہنا ہے۔ ڈاکٹر سفر الحوالی لکھتے ہیں کہ تثلیث نے مسیحیوں کے عقائد اور عقول کو بہت متاثر کیا ہے۔ وہ من مانی سے بائبل کی تشریح کرتے ہیں جو یوں ہونی چاہئے کہ استعار کے متعدد سینگوں میں سے چھوٹا سینگ اسرائیل ہے جو سرزمین مقدس کو پلید کرنے آیا ہے۔ صہیونیت یہودی اور نصرانی دو چہروں والا درندہ ہے۔ یہودی خاص کر صہیونی دور حاضر میں الحاد اور فساد کے داعی بن کے اٹھے ہیں۔ ان کا یروشلم پر قبضہ بربادی کے منحوس خیمے کی تنصیب ہے۔ اژدھا نما سلطنت روما گویا مغرب ہے جو اپنا اختیار اس درندے کو دے گا اور ان دونوں کا خدائی غضب کے دن خاتمہ کر دیا جائے گا۔

ڈاکٹر سفر الحوالی مختلف مسیحی مکاتب فکر کے تصور آخر الزمان بیان کرتے ہیں۔ آپ قیام اسرائیل سے پہلے یعنی انیسویں صدی کے ایک مسیحی مفسر Bates کا ایک قول بیان کرتے ہیں کہ مغربی یورپ

1- Lavender, Enoch, Rebuilding the temple, 2018, p33

2- حجی نبی 2:22

3-Russell, Paster, The Battle of Armageddon, Brooklyn, New Yark, 1897, p162

میں تہذیب، آزادی، روشن خیالی اور ترقی کے انسانی اصولوں کے اشتراک عمل کا نتیجہ منتخب سرزمین میں دابۃالارض (Beast) کی حکومت کا قیام ہے جو ظلم، استبداد، الم اور خدا کی گستاخی کا سنگم ہے ۔ آپ مذکورہ مسیحی مفسر کی ایک کتاب کا بار بار حوالہ دے کے اس پر علمی بحث کرتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق اس بحث کو سمیٹتے ہیں۔[1]

ہماری رائے یہ ہے کہ اہل کتاب کے آخری نبی ﷺ کو نہ ماننے کی وجہ سے سابقہ کتب اور ان کی تشریحات اسلامی مصادر کی آخری الہامی روشنی کے بغیر محض متشابہات ہیں۔ جہاں کہیں سابقہ منتخب امت یعنی بنو اسرائیل کے حق میں بشارت ملے وہاں بلا تخصیص اہل ایمان کو رکھ کے دیکھا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سرحد کی ایک جانب نفاق، بدامنی اور تخریب کاری کرا کے دوسری طرف چین کی نیند سونے کا حل آسمانی گرفت کی صورت میں سامنے آئے گا۔ تب تک اصحاب کہف کی مانند پہاڑ ایمان بچانے کے مورچے ہیں جن سے مسلمان غفلت کر کے باہم دست بگریباں ہیں۔ اسی طرح سب سے بڑے یعنی دجال کے فتنے سے بچنے کے لیے سورہ کہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کا نبوی حکم ہے۔ جس میں مسلمانوں کو بشارت جبکہ مسیحیوں کو ابنیت مسیح، لاعلمی، جاہلانہ ورلڈ آرڈر اور جھوٹ کی وجہ سے خوفناک تنبیہ کی گئی ہے۔

مغربی تہذیب کے علمبرداروں اور صہیونیوں کو قرآنی مہلت سے فائدہ اٹھا کر فساد سے احتراز کرنا چاہیے قبل اس سے کہ باب لُد پر جھوٹا مسیح سچے مسیح کے نیزے کا شکار ہو۔ اہل کتاب شبیہے کا شکار ہوئے تھے اب مظلوموں کا مسیحا راج کرتا دیکھ کے یاجوج ماجوج یہود کے ہاتھوں اسے مصلوب کرنے کی تاریخ دہرانا چاہیں گے۔ جس معبود نے اصحاب کہف کو چھپائے رکھا ہے وہ قادر ہے کہ اپنے نبی کو آسمان پر لے جانے کی بجائے دوسری بار مشرق وسطیٰ کے پہاڑ پر چھپا دے۔ آسمانوں پر تیر برسانے والے مسیح علیہ السلام کی بددعا سے ہلاک کر دیئے جائیں گے جن کے ہتھیار مال غنیمت کے طور پر ان کے ہاتھ لگیں گے جن پر اس سے پہلے ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دی گئی تھی۔ یہ ہتھیار نجات پانے والوں کے لیے ایک طویل عرصے تک ایندھن کا کام دیں گے۔

جمی کارٹر سیکولر امریکہ کی مشرق وسطیٰ میں پالیسی پر کچھ مسیحی بنیاد پرستوں اور ان کے نظریات کے بھرپور اثر پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے مذہب اور حکومت کا عجیب امتزاج دیکھتے ہیں۔ جنہیں بائبل کی پیشگوئی پوری کرنے کے لیے یقین ہے کہ Rapture (نزول مسیح کا پر مسرت

---

[1] - الحوالی، ڈاکٹر سفر بن عبد الرحمٰن، روز غضب، ترجمہ حامد کمال الدین، مطبوعات ایقاظ، لاہور، س ن، ص:123،129

لمحہ)کی جلد آمد ان کی شخصی ذمہ داری ہے۔جن کے ایجنڈے میں مشرق وسطیٰ میں اسلام کے خلاف جنگ کرنااور یہودیوں کا ساری ارض مقدس کو چھین لینا شامل ہے جہاں سے مسیحیوں سمیت تمام غیر یہودیوں کو نکال دیا جائے گا۔پھر کافر(Anti-Christ)اس علاقے کو فتح کرلیں گے اور مسیح آخری فتح پائے گا۔ انہیں حیرانی ہے کہ چند اسرائیلی لیڈروں نے یہودیوں کی آخری مصیبت کو نظرانداز کرتے ہوئے اس امداد کو قبول کرلیا ہے۔[1]

مغربی و صہیونی تلبیس اسلامی علم آخر الزماں کی تحقیقات کی عصری ضرورت و اہمیت کو بڑھا دیتی ہے۔اسی لیے شیخ عمران حسین بجا کہتے ہیں کہ صہیونی مسلسل تحریف شدہ متون کے حوالے دیتے ہیں اور حلت و حرمت اپنے ہاتھ میں لے کے سیاسی و معاشی شرک میں مبتلاء ہیں۔وہ نیل سے فرات کے پانیوں تک اسرائیل بنانے کے لیے یہودیوں کے جذبات ابھارتے ہیں جس کا دارالحکومت یروشلم ہو۔شرلاک ہومز اور جیمز بانڈ کے جھوٹے کردار دکھانے والی مغربی تہذیب کی اولیں عالمی سپرپاور برطانیہ نے لارنس آف عریبیہ سے دجالی جساسہ[2] کا کام لیا جس سے عرب دھوکہ کھا گئے۔ قادیانی متنبیت اور تحریک نسواں اسی تہذیب کے دوسرے جھانسے ہیں۔

اس تہذیب کی دوسری عالمی سپر پاور،امریکہ صہیونی استیصال میں شریک ہے جس سے تمام عربوں کی آزمائش بڑھ گئی ہے۔ اسرائیل گلیلی کا پانی فطری آمد سے زیادہ خرچ کر کے ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ خطے کو اپنے پلانٹوں سے صاف کردہ پانی کا محتاج بنائے اوریوں عرب اسے اور اس کے معبود دجال کو مان لیں۔ صلیبی جنگجوؤں کی طرح مادہ پرست یہودیوں کو ارض مقدس سے کیا لگاؤ ہے؟مستقبل میں امریکہ کی کاغذی کرنسی کو ناکام کر کے وہ خود یروشلم سے دنیا پر حکومت کریں گے۔ اپنی دینی بدعنوانی اور قلبی اندھاپن کی وہ الوہی وعید کے مطابق سزا

---

[1]– کارٹر، جمی، امریکہ کا اخلاقی بحران، 2006ء، ترجمہ محمد احسن بٹ، لاہور، دارالشعور، 2006ء، ص112

[2]۔حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے کہ حضرت تمیم داری اور ان کے ہمرکاب کشتی سواروں کو بحکم الٰہی طویل سمندری طوفان کے ذریعے ایک ماہ کی مسافت سے ایک جزیرے کے ساحل پر پہنچا دیا گیا جہاں دیو ہیکل دجال مقید تھا۔انہیں ساحل پر دجال کی جساسہ سے سابقہ پڑا جس کے جسم پر بال تھے اور اس کے آگے پیچھے کی اور صنفی شناخت بہت مشکل تھی۔ عند الملاقات دجال نے نبی اکرم ﷺ پر عربوں کے ایمان لانے کو ان کے حق میں بہتر بتایا اور دیگر علامات کے علاوہ بحیرہ طبریہ کی خشکی کو اپنے خروج کی علامت بتایا۔(صحیح مسلم،ترجمان السنۃ،114:4)

پائیں گے اور اپنے دجالی معبد سمیت زمیں بوس ہو جائیں گئے۔[1]

تہذیبی تصادم کے خدشات کا سد باب

سیمویل پی ہنٹنگٹن دنیا کی بڑی تہذیبوں کے درمیان عالمی جنگ کا اندیشہ رکھتے ہیں جو ان کے مابین تقسیمی خط کی جنگ سے شروع ہو سکتی ہے۔ انہیں خدشہ تھا کہ ایک طرف مسلم ہوں گے اور دوسری طرف غیر مسلم کیونکہ مسلمانوں کی مرکزی ریاستیں اپنے ہم مذہبوں کو مدد فراہم کریں گی۔[2] مغربی دانشور کو مظلوموں کی عالمی حمایت کی بات کرنا چاہیے تھی تاکہ صف بندی کا موقع نہ آئے۔ انہوں نے امت مسلمہ کی طاقتوں کے لیے مرکزی ریاستوں کی اصطلاح بیان کی ہے جو جنگ ہائے عظیم میں اتحادیوں کا مقابلے پر شکست کھانے والوں کے لیے کہی جاتی ہے۔ اس طرح کی تقسیمی خطوط کی مہربانی نو آبادیاتی نظام نے جاتے جاتے مغربی تصور ملت کے تحت کی تھی جسے اسرائیلی مفادات کے مطابق پھر سے سدھارنے میں امریکہ مگن ہے جب کہ خود مغرب تقسیمی خطوط مٹا کے متحدہ یورپ بنا رہا ہے۔

یہود مسلم تعلقات کی کشیدگی سے مشرق وسطیٰ آتش فشاں کا دہانہ دکھائی دیتا ہے جس سے لاوہ پھٹ پڑنے سے پہلے بچاؤ کی تدابیر کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ایک چنگاری بھڑک کر پورے کرۂ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دور بیٹھ کر الاؤ کی تپش لینے والے امن عالم کے ٹھیکیدار بانسری بجانے والے نیرو بن جائیں یا ہنوز دلی دور است کہتے مدہوش ہی نہ رہ جائیں اور صہیونی، بھارتی، سربی یا برمی آگ سب کچھ جلا کر راکھ کر دے۔

اسرائیل کی دیدہ دلیری عراق و شام کے ایٹمی پروگراموں کی تباہی ہے۔ اسرائیلی نیوکلیائی صلاحیت کے رد عمل میں شمالی کوریا کے تعاون سے شام خفیہ تحقیقی ری ایکٹر پر کام کر رہا تھا کہ ستمبر 2007ء میں اسرائیلی ہوائی شب خون کام دکھا گیا۔ کئی عرب ریاستیں سائنسی اور صنعتی ڈھانچے اور ماہرین کے انسانی سرمایہ کی عدم موجودگی کے باوجود بطور کریش پروگرام نیوکلیئر پروگرام کا قیام چاہتی ہیں۔[3] اسرائیل کے اپنے ہمسایوں سے تعلقات کی نوعیت شروع سے بہت حساس ہے۔ گولان شام کے پاس تھا جبکہ مغربی کنارہ اردن کے۔ اسی طرح غزہ کی پٹی اور صحرائے سینا کا کنٹرول مصر سنبھالے ہوئے تھا کہ 5 جون 1967ء کو اسرائیل نے حملہ کر دیا۔ اس نے عرب

[1]-Hosein, Imran N. Jerusalem in the Qur'an, Masjid Dar al Qur'an, Long Island, New York, 2003 P142

[2]_ ہنٹنگٹن، سیموئیل پی، تہذیبوں کا تصادم، ترجمہ محمد احسن بٹ، لاہور، مثال پبلشنگ، 2003ء، ص368

[3]- Riedel, Bruce & Gary, Samore, Managing Nuclear Proliferation in the Middle East, Brookings institute, 2005,p96

فوجوں کو چھے دنوں میں کھوکھلا کر دیا اور دو بلین ڈالر کے مصری عسکری ساز و سامان کو تباہ کر دیا۔[1]

امریکی اشیر باد سے اسرائیل ہر گزرتے دن کے ساتھ مضبوط تر ہو رہا ہے اور اس کے ہمسائے کمزور۔ نیز مشرق وسطیٰ عالمی طاقتوں کی پراکسی جنگ کا اکھاڑا بنا ہوا ہے۔ پہلے بھی 1956ء کی سویز جنگ میں فرانس اور برطانیہ کی عالمی طاقتیں اپنے نو آبادیاتی دور کے چلے آ رہے مفادات کے تحفظ میں اسرائیل کے شانہ بشانہ تھیں۔ کیرن آرمسٹرانگ عالمی طاقتوں کی حکمت عملی کے یہود مسلم تعلقات پر اثرات کے بارے میں لکھتی ہیں:

> "اسرائیل مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی کلائنٹ ریاست نہیں رہا بلکہ وہ وہاں امریکی پالیسی کا تعین کرنے لگا۔ اس سپر پاور کی پشت پناہی سے اسرائیل عرب حملے سے محفوظ ہو گیا۔ امریکہ نے اسے فوجی اعتبار سے تمام عرب ریاستوں سے زیادہ طاقتور بنانے کا عہد کیا۔ برطانیہ اور فرانس کا اثر ختم ہو جانے کے بعد مشرق وسطیٰ میں ان کی جگہ امریکہ نے لے لی تھی۔"[2]

تہذیبی تصادم کے عالمی منظر نامے میں بین الادیان منفی رجحانات میں کمی کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ تصادم کی ہنگامی حالت سے بچنے کے لیے اور تعلقات میں عادلانہ پیشرفت و بہتری کے لیے نبی کریم ﷺ نے وحدانیت کی مشترکات پر توجہ مرکوز رکھنے کا الوہی پیغام دیا ہے کہ اے اہل کتاب تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب نہیں بنائے گا۔[3]

1- Oren, Michael B. Six Days of War: June 1967 and the making of the Modern Middle East, New York:Oxford University Press, 2002, p 305

2- آرمسٹرانگ، کیرن، مقدس جنگ، ترجمہ محمد احسن بٹ، لاہور، نگارشات پبلشرز، 2006ء، ص 149

3- آل عمران 3:64